Negotiations 4:2 (Dec. 2024) pp. 251-260 ISSN: 2789-293X

ادبیاتِ اطفال کا نقطۂ آغاز: لوری

The Starting Point of Children's Literature: Lullaby

Dr. Syed Zubair Shah
Associate Professor Urdu, Govt. Superior Scince College, Peshawar
dr.s.zubairshah@gmail.com

KEYWORDS

Lullaby
Civilization
Manifestations
Utterances
Motherhood
Cultural
Peculiar Region
Tradition

DATES

Received	**25-11-2024**
Accepted	**10-12-2024**
Published	**31-12-2024**

QR CODE

ABSTRACT

In children's literature, 'lullaby' is such a genre that no set rules and regulations for critical appreciation but there is no denying the fact that it has been part and parcel of all lingos and civilizations in its different forms and manifestations. In poetic style, usually mothers sing some utterances to send their children to sleep is not just a routine phenomenon but it is the starting point of children's literature on the one hand but on the other hand, it adores the kids with fragrance of motherhood alongside connecting them with ties of cultural values in an unconscious manner and later, it leads the kids to build edifice of their personality on it. This folk song with some slight alterations, in various languages with its existence for thousands of centuries, has in its tradition some forms wherein mothers sing lullabies to frighten their babies but it depends on the believes and faiths of the people living in a peculiar region. The truth is that 'lullaby' is such a dialogue between mom and baby which due to its onomatopoeic and magical effect casts a durable and rich impact. Like others lingos of the world, Urdu too enjoys a strong tradition of 'lullaby'.

DOI:
https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/authorDashboard/submission/122

تلخیص:

بچوں کے ادب میں 'لوری' ایک ایسی صنف ہے جس کی تنقیدی تعریف کے لیے کوئی اصول و ضوابط نہیں ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اپنی مختلف شکلوں اور مظاہر میں تمام زبانوں اور تہذیبوں کا حصہ رہی ہے۔ شاعرانہ اسلوب میں عموماً مائیں اپنے بچوں کو سلانے کے لیے کچھ جملے گاتی ہیں جو صرف ایک معمول کا واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک طرف تو بچوں کے ادب کا نقطہ آغاز ہے لیکن دوسری طرف یہ بچوں کو سلانے کے ساتھ ساتھ مادر پدر کی خوشبو سے بھی پیارا ہے۔ انہیں غیر شعوری طور پر ثقافتی اقدار کے ساتھ جوڑا جاتا ہے اور بعد میں یہ بچوں کو اس پر اپنی شخصیت کی عمارت بنانے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ لوک گیت کچھ معمولی تبدیلیوں کے ساتھ، مختلف زبانوں میں، ہزاروں صدیوں سے اپنے وجود کے ساتھ، اپنی روایت میں کچھ ایسی شکلیں رکھتا ہے جس میں مائیں اپنے بچوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے لوری گاتی ہیں، لیکن یہ ایک مخصوص خطے میں رہنے والے لوگوں کے عقائد اور عقائد پر منحصر ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ 'لوری' ماں اور بچے کے درمیان ایک ایسا مکالمہ ہے جو اپنے آنومیٹوپیئک اور جادوئی اثر کی وجہ سے ایک پائیدار اور بھرپور اثر ڈالتا ہے۔ دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح اردو میں بھی لوری کی ایک مضبوط روایت ہے۔

تاریخِ انسانی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ازمنہ قدیم میں مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے انسان اشاروں سے کام لیا کرتے تھے مگر بعد کی تہذیبی اور تمدنی ارتقا نے مختلف اصوات اور اشاروں کو لفظیات کی شکل دی تو زبان نے جنم لیا، اور پھر مختلف خطوں اور آب وہوا میں یہ نیرنگیاں مختلف بولیوں اور زبانوں کی صورت اختیار کر گئیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ادبیات اور لسانیات کی مختلف شاخوں نے نئے نئے امکانات روشن کیے تو وہ زبان جو ضرورت انسان کے تحت وجود میں آئی، بعد میں اس کی مجبوری بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج اگر کوئی شخص قوت گویائی سے محروم ہو تو اسے ایک نارمل انسان کہا ہی نہیں جاتا۔ فی زمانہ گلوبلائزیشن نے جہاں تہذیبوں اور ثقافتوں کو آپس میں مدغم کر دیا ہے وہاں زبانیں بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہیں، لفظیات سے لے کر تخلیقی اصناف تک کے خالص پن پر سوال اُٹھائے جاسکتے ہیں تاہم یہ حقیقت آج بھی تسلیم کی جاتی ہے کہ اصل اور خالص زبان دیہی علاقوں، گلی کوچوں، صحنوں اور عوامی محفلوں میں آج بھی مل سکتی ہے اس لیے کہ زبان کو پھلنے پھولنے کا موقع ایسے ہی مقامات پر ملتا ہے، چونکہ ادب کا براہ راست موضوع انسان اور اس کا معاشرہ ہوتا ہے اس لیے یہ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ترجمان ہی نہیں بلکہ ناقد بھی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> "ادب، زندگی کے اظہار کا نام ہے۔ ادب چونکہ لفظوں کی ترتیب اور تنظیم سے وجود میں آتا ہے اور ان لفظوں میں جذبہ و فکر بھی شامل ہوتے ہیں اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ لفظوں کے ذریعے جذبے، احساس یا فکر و خیال کے اظہار کو ادب کہتے ہیں۔"(1)

ڈاکٹر صاحب کی اس رائے سے انکار نہیں مگر یہ بات بھی محل نظر رہنی چاہیے کہ جذبے اور احساس کے ساتھ ساتھ ادب میں ترتیب و تاثیر کا خیال رکھنا بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ کسی بھی زبان کے تخلیقی ادب میں معیار اور مقدار دونوں کو مدنظر رکھا جاتا

ہے مگر اہم بات یہ ہے کہ زبان کا ادب اپنی ارتقائی صورتوں میں کیا کیا کچھ سمیٹ کر آگے بڑھا ہے کیونکہ زبان کے نمو میں ادبی سطح پر کئی اصناف اور کئی طرح کے اسالیب اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ ہر صنف وقت کے ساتھ ساتھ کچھ مخصوص سانچوں اور قاعدوں ضابطوں کو اپنا کر آگے بڑھتی ہے، یہ اصناف شعری ہوں یا نثری مگر اہم ترین شے زبان میں موجود تخلیقی توانائی ہے یہی وجہ ہے کہ علم اللسان کا مطالعہ جب اس تناظر میں کیا جاتا ہے تو ادب کی ابتدائی شکلوں ہی میں لوک ادب کے نام سے ہمیں ایسی چیزیں ملتی ہیں جن میں مقامی زندگی کی تہذیبی و ثقافتی تصویروں سمیت نفسیاتی کیفیات بھی نظر آتی ہیں۔ اس لوک ادب میں تو بعض ادب پارے جو بظاہر معمولی نظر آتے ہیں، سینہ بہ سینہ سفر کرتے ہوئے ایسے مراحل میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں ان کو غیر معمولی حیثیت اور اہمیت مل جاتی ہے۔ ادب کا تعلق عوام سے ہے یا خواص سے؟ یہ سوال اپنی جگہ اہم سہی مگر جب ہم عوامی ادب کا ذکر کرتے ہیں تو لا محالہ یہ سوال زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ اس عوامی ادب کی اپنی پہچان کیا ہے اور اس کا حیات انسانی کے کس طبقے سے تعلق ہے؟ اس ضمن میں کہانی، گیت اور لوری کی روایت پر نظر دوڑائی جائے تو یہ تمام ادبی اصناف محض بطور اظہار یہ سامنے نہیں آتیں بلکہ ان کے پیچھے کچھ نامعلوم تخلیقی اذہان، اصلاح پسند اور امن پسند مزاج اور محبتوں کے پروردہ دل کارفرما نظر آتے ہیں۔

لوک روایت کے تحت آنے والے ادب کے لیے انگریزی میں فوک لور کی اصطلاح مستعمل ہے جو ولیم جان تھامس نامی ایک انگریز ماہر نوادرات نے ۱۸۴۶ میں متعارف کرائی۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال کے مطابق:

"لوک روایت کا ادب کے ساتھ گہرا رشتہ ہے، اسے ادب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔"(2)

ڈاکٹر سہیل احمد خان نے اپنی کتاب "منتخب ادبی اصطلاحات" میں جہاں اس ادب کا عمل دخل انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں واضح کیا ہے وہاں اس اصطلاح کی وسعت بھی اُجاگر کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اس اصطلاحی دائرے میں لوک ثقافتیں اور ان کے مختلف اعتقادات، لوک گیت، لوک کہانیاں، مقبول عام پہیلیاں، عجوبہ کہانیاں جیسی چیزیں شامل سمجھی جاتی ہیں۔"(3)

دیکھا جائے تو مذکورہ بالا فہرست میں "لوری" کا نام استعمال نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوری دراصل لوک گیت ہی کی ایک قسم ہے تاہم یہ حقیقت افسوس ناک ضرور ہے کہ ادب اطفال کے سلسلے میں اس صنف کو جتنی اہمیت ملنی چاہیے تھی اسے اسی قدر نظر انداز کیا گیا ورنہ سچ تو یہ ہے کہ چند اماما دور کے، سو جا سو جا میرے راج دلارے سو جا، للاّللاّ لوری، دودھ کی کٹوری جیسے مترنم لفظ تو تہذیب در تہذیب کی ایک مشترکہ وراثت کی صورت میں ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں کوئی اعتراض اٹھائے کہ یہ چیزیں تو دل بہلاوے اور وقت گزاری کے لیے ہوتی تھیں لیکن یہاں یہ امر محل نظر رہنی چاہیے کہ جو تخلیقی روایت انسانی ارتقا کے ساتھ ساتھ اپنا سفر جاری رکھے اسے نظر انداز کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

لوری کی قدامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعض محققین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ زبان سے بھی قبل وجود میں آچکی تھی تاہم مطالعاتی سطح پر اس کی تاریخ صرف ہزاروں سال قدیم نہیں بلکہ ہزاروں سال قبل مسیح کی بیان کی جاتی ہے۔

بی بی سی اردو کے مطابق تو اس کا آغاز عراق کے شہر بابل کی تہذیب میں لگ بھگ چار ہزار سال قبل مسیح ہوا مگر معلوم تاریخ کے مطابق دو ہزار سال قبل مسیح کی ایک لوری برٹش میوزیم میں محفوظ ہے جو تحریر کی ابتدائی اشکال میں سے ایک موسوم بہ "کیونیفارم سکرپٹ" میں مٹی کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر لکھی گئی ہے۔ اس تحریر کا مطلب و مفہوم یہ ہے:

"جب بچہ روتا ہے تو گھروں کا خدا ناراض ہو جاتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ خطرناک ہوتا ہے"(4)

مذکورہ قدیم ترین لوری کو ادبیات اطفال کے حوالے سے نقطہ آغاز کہنا غلط نہ ہو گا۔ گو کہ اس لوری میں ایک غیر محسوس انداز سے بچے کو ڈرانے کی کوشش نظر آتی ہے مگر در پردہ خدا سے والہانہ محبت اور اس کی ذات کی اہمیت کو بھی اشارتاً دل میں بٹھانے کی سعی موجود ہے۔ توجہ طلب بات یہ بھی ہے کہ جس لوری کو ہم آج محبت اور پر سکون نیند کے لیے ماں کی مامتا کا اظہار کہتے ہیں وہ مختلف خطوں میں بہ انداز دگر اور نئی معنویت کے ساتھ بھی سامنے آتی ہے، جس میں محبت سے زیادہ خوف اور ڈر کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ مثلاً مغربی کینیا کے قبائل میں بعض ایسی لوریوں کی روایت موجود ہے جس میں بچے کو ڈرایا جاتا ہے کہ اگر وہ سوئے گا نہیں تو لگڑ بگا آکر اسے کھا جائے گا۔ اس قسم کی لوری کی ممکنہ وجہ یہی ہے کہ کینیا کے دیہی علاقوں میں موجود جنگلات میں لگڑ بگڑ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح رات کو شور شرابا کر کے نہ سونے والے بچوں کو لوری میں یہ بات بتا کر خوفزدہ کیا جاتا ہے کہ اگر وہ مزید شور کرے گا تو بری روحیں بھی جاگ جائیں گی۔ بعض مواقع پر تو بچوں کو لوریاں سنا کر دیوتاؤں سے بھی ڈرایا جاتا ہے۔

لوک گیت کی یہ قسم 'لوری' جو چند شاعرانہ جملوں پر مشتمل ہوتی ہے عموماً عورتیں ہی گاتی ہیں جس کا مقصد بچوں کو سلانا یا روتے ہوئے بچے کو چپ کرانا ہوتا ہے۔ دھیمی اور آہستہ سر میں گانے والی یہ صنف دنیا بھر کی زبانوں میں رائج ہے، مختلف ادوار اور مقام کی تبدیلیوں کے باعث ان میں موضوعات کے حوالے سے کسی حد تک تغیر و تبدل پایا جاتا ہے مگر اس کی ادائیگی کا انداز بیشتر صورتوں میں یکساں ہی رہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بچوں کے نثری ادب میں بالعموم اور لوری میں بالخصوص طرز بیان اور موضوع کو بچے کی روزمرہ زندگی، کیفیات اور نفسیات کے قریب رکھنے کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کیونکہ نوعمری میں بچہ لاشعوری طور پر اپنے تجربات سے زیادہ اپنے بڑوں کی زندگی، تجربات، خوف، حیرت اور انکشافات کو جاننے کا خواہش مند رہتا ہے۔ اس ضمن میں دنیا کے دیگر ممالک اور زبانوں کی طرح برصغیر میں لوری کو بھی متنوع مضامین کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ زیادہ تر لوریوں میں محبت اور تحفظ کی باتیں ہوتی ہیں اور اکثر ملک کی تاریخ کو بھی دہرایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ بچوں میں لفظ، تال اور لے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی لیکن جدید سائنس نے اس تصور کو غلط ثابت کیا ہے۔ ماہرین کے خیال میں حمل کے ۲۴ ویں ہفتے ہی بچہ ماں کی آواز سننا شروع ہو جاتا ہے اور وہ دوسری آوازوں کے برعکس ماں کی آواز زیادہ واضح اور صاف طور پر سنتا ہے۔ روس کے مائیکل لیزاریو نے تو یہاں تک کہ دیا ہے:

"ماں بچے کے درمیان بات چیت کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوتا ہے"(5)

یہی وجہ ہے کہ مخصوص اوقات میں بچہ ماں کی کوکھ میں حرکت کرنے لگتا ہے جو دراصل اس کی طرف سے ایک ردعمل ہوتا ہے، ویسے بھی ماں کی گود میں بیٹھے ہوئے نومولود بچے سے جب بھی ماں توتلی زبان میں مخاطب ہوتی ہے تو اس کی عام بات میں ایسی نرمی اور دھیما پن آجاتا ہے کہ بچہ متوجہ ہو کر سننے لگتا ہے۔ ایسا منظر دیکھ کر یہ کہنا مشکل نہیں ہوتا کہ ماں کا یہ پیار بھرا لہجہ بچے کے لیے سمجھنا مشکل نہیں۔ ادبیات اطفال میں لوری کا یہ لفظ ہی لار سے پیدا ہوا ہے جو موجودہ تبدیل شدہ شکل میں لاڈ بولا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ تمام علاقوں کی لوریوں میں مشترکہ عناصر کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ اکثر لوریوں کی دھن آپس میں ملتی جلتی ہے، ان میں سے بعض طویل ہوتی ہیں اور بعض مختصر، کچھ لوریاں چند الفاظ پر مشتمل ہوتی ہیں جن کو ماں بار بار دہراتی ہے اور کچھ تو ایسی بھی ہوتی ہیں جو محض اصوات پر مبنی ہوتی ہیں اور ان سے کوئی لفظی مطلب نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً اُوں ہُوں، اُوں ہُوں، آہا آہا وغیرہ اس قسم کی لوریوں کا بامعنی ہونا ضروری بھی نہیں اور نہ یہ لوازم شعری کی پابند ہوتی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں زیادہ تر تک بندی سے کام لیا جاتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے زیادہ تر حصوں میں بچوں کو جو لوریاں سنائی جاتی ہیں ان میں چاند یا چندا ماما کا ذکر ہوتا ہے اور "چندا ماما دور کے" تو ایک مقبول لوری ہے:

چندا ماما دور کے — پوئے پکائے بھور کے
آپ کھائیں تھالی میں — منے کو دیں پیالی میں
پیالی گئی ٹوٹ — منا گیا روٹھ
نئی پیالی لائیں گے — منے کو منائیں گے(6)

اگرچہ اس لوری کے تخلیق کار کا نام پردۂ اخفا میں ہے لیکن بظاہر ان بے معنی لفظوں کی غنائیت، صوتی آہنگ اور مبہم معنویت نسائی آوازوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر جو طلسمی کیفیت پیدا کرتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوری یقیناً کسی بڑے ذہن کی تخلیق ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ لوری کے سلسلے میں بے معنی اور تک بندی والے الفاظ کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ لوریوں کا مجموعی مزاج ہی یہی ہوتا ہے۔ بیشتر لوریوں میں عموماً محبت اور دعا کے الفاظ غالب نظر آتے ہیں اور موضوعاتی تنوع کے باعث وہ کئی حوالوں سے بھرپور معنویت رکھتی ہیں۔ ذیل میں درج یہ نمونے ملاحظہ ہوں:

نندیا پیاری نندیا پیاری
گڑیا کو جھولا جُھلا دے
آنکھوں میں میٹھے سپنے بسا دے
لوری سنا کے سُلا دے
تُو اس کو چندا بنا دے
نندیا پیاری نندیا پیاری(7)

۱۹۷۰ کی دہائی میں پاکستانی فلم "پھول میرے گلشن کا" کا یہ گیت بہت مقبول ہوا جو بعد میں بچوں کو سلانے کے لیے گایا جانے لگا۔

تو ہے پھول میرے گلشن کا
تُو ہے چاند میرے آنگن کا
غم نہ کبھی تیرے پاس آئے
عمر میری تجھے لگ جائے(8)

اکثر لوریوں میں ممتا کی محبت اور بزرگوں کی بہادری کے کارنامے تو شامل ہوتے ہیں مگر کبھی کبھی دوسرے رشتہ داروں کے بچوں کے بارے میں جذبات اور نیک خواہشات کا اظہار بھی کیا جاتا ہے جس سے بچے کے لاشعور پر مثبت اثر پڑتا ہے، یہی مثبت اثرات بعد میں ایک مثبت شخصیت بننے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

عام مشاہدے کی بات ہے کہ لوری کے زیر سایہ بچہ خود کو زیادہ محفوظ محسوس کرتا ہے اس لیے لوری کی دھن اور ردھم میں محو ہو کر اس کے ہوش لوری کے ترنم میں ڈوب جاتے ہیں اور وہ بے سدھ ہو کر سو جاتا ہے۔ماں کی مترنم لوری بچے کی ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی صحت پر اس قدر اثر انداز ہوتی ہے کہ وہ گھنٹوں پر سکون سویا رہتا ہے۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ لوری کو بطور ادبی صنف تسلیم کرنے سے انکاری ہوں لیکن تمام زبانوں کے ادب کا مطالعہ یہی ثابت کرتا ہے کہ یہ اجتماعی لوک گیت تھوڑے بہت ردوبدل کے ساتھ مماثل ناموں سے ہر جگہ رائج رہا ہے گو کہ اس کے صرف و نحو یا دیگر اصول وضابطے متعین نہیں مگر یہ سچ ہے کہ اس کے زبان و بیان اور ادائیگی ہی سے لوری کا تاثر اُبھرتا ہے جو نہ صرف بچے کو بلکہ ماں کو بھی سکون بخشتی ہے۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ لوری ماں اور بچے کے مابین موجود گرہیں مضبوط کرنے کا ایک بڑا وسیلہ ہے۔

برصغیر میں لوری کو کسی حد تک ادبی اور مذہبی حیثیت حاصل ہے۔اگرچہ اس پر وہ توجہ نہیں دی گئی جس کی یہ مستحق تھی مگر لوری کی شکل میں "جُھولنے" کے الفاظ جس طرح رسول اکرم ﷺ کے بچپن کو منظوم انداز میں پیش کرتے ہیں وہ انتہائی مستحسن اور پر تاثیر اظہار یہ ہے۔بچوں کو سلانے کے لیے لوریاں ہوں یا جھولنے دونوں کا براہ راست تعلق تو رسمی نصاب سے نہیں تاہم ماں کی گود کو اگر پہلی درس گاہ تسلیم کیا جائے تو اس صورت میں ان کا مدعا بھی بہت حد تک نصاب سے ملتا جلتا ہے۔ غرض ان دونوں کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بچے کے لاشعور میں آزادی کا تقدس بٹھانا ہو یا اس کے معصوم ذہن کی آبیاری کرنی ہو، اسے زندگی کے عظیم فرائض سے آشنا کر کے بڑے بڑے مقاصد کی طرف پیش قدمی پر اُکسانا ہو یا اس کے باطن میں لطیف جذبوں کے چراغ روشن کرنے ہوں، اس ضمن میں لوری کی اہمیت اور افادیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔۔۔لکھتے ہیں:

"الّا ہو۔ ننگ وناموس، غیرت و حمیت، اولوالعزمی اور دشمن کے خلاف جنگی کارناموں، تلواروں اور جوانمردی کے بیان کے وہ شہپارے ہیں جو ماں کے مہد میں آج کے بچے کل کے قہرمان بناتے ہیں۔"(9)

مذکورہ بالا اقتباس دراصل پشتو لوری کے موضوعات اور متن سے متعلق ہے جس کی مدد سے پختون فطرت کے مطابق بچے کے خون کو حرکت میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے یہی جذبہ بعد میں بوقت ضرورت دشمن کی جارحیت کے خلاف کام آتا ہے، تاہم یہ بات یاد رہے کہ اس قسم کی لوریوں میں لطافت اور حسن وجمال پر پتنگ کی مانند جلنا بھی سکھایا جاتا ہے۔ ذیل میں درج لوری کا کینوس وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ کئی توجہ طلب معاملات کی اہمیت کو بھی اُجاگر کرتا ہے:

الّاھوشہ الّاھوشہ زماجانہ الّاھو
پلار دے تلے دے پہ جنگ
دوطن پہ نام وننگ
یوٹوپک پہ غاڑہ وڑے
بلہ تورہ ئے ترسنگ
لویوم دے پہ خوارو
الّاھوشہ الّاھو(10)

ترجمہ: سوجامیری جان، تمھاراوالد وطن کے نام وننگ کے لیے جنگ کرنے گیا ہے، اس کے ایک ہاتھ میں بندوق اور دوسرے ہاتھ میں تلوار ہے، میں تمھیں مشقتوں سے پال رہی ہوں، سوجامیری جان سو جا۔

پشتو زبان وادب میں بھی دیگر زبانوں کی طرح لوری ہی کو لوک گیت کی اصل شکل سمجھا جاتا ہے۔ اس کے لیے "اللہ ہو" کی اصطلاح مستعمل ہے جس کا مطلب ہے "سوجا"۔ مذکورہ بالا لوری پڑھ کر ایک مخصوص پختون ذہن سامنے آنے کے ساتھ ایک خاص المیاتی تہذیب اور ثقافت کا نوحہ بھی سنائی دیتا ہے۔

معصوم بچے کو سخت کوشی کا خصوصی درس دے کر اسے آنے والے دکھوں اور مصیبتوں سے آگاہ کرنا اور دشمن کو کوس کر بڑے ہونے پر اس سے انتقام لینے کی تلقین کرنا پشتو لوریوں کا نمایاں پہلو ہے جس کے پیچھے مخصوص ماحول اور حالات کار فرما نظر آتے ہیں۔ ان لوریوں میں نہ صرف ماں کی ممتا ہوتی ہے بلکہ وہ اپنے دودھ پیتے بچوں کو ان کے ذریعے ماضی، حال اور مستقبل کا درس بھی دیتی ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ انسانی سماج میں پیدا ہونے والے بچے کی اہمیت، اس کی ضروریات اور احساسات کا اعتراف جن لوریوں میں کیا جاتا ہے وہ بے مقصد اور فضول نہیں ہو سکتیں عبد اللہ جان عابد نے اپنی کتاب "پشتو زبان وادب کی مختصر تاریخ" میں فارغ بخاری کا ایک قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "پشتو 'اللہ ھو' کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بچے کو بلی کتے یا ھوّے سے ڈرانے کے بجائے بہادری ،اولوالعزمی اور غیرت وحمّیت کا درس دیا جاتا ہے جو آئندہ زندگی میں بچے کے لیے حرزِ جان بن جاتا ہے۔"(11)

اس قسم کی لوریوں کی توثیق و تصدیق کے لیے ذیل کی ایک لوری ملاحظہ کریں:

اللہ ھو شہ اللہ ھو
تہ نوسے ئے دخالد
غزنوی دئ دے والد
ولے زڑہ لرے جامد
اللہ ھو شہ اللہ ھو(12)

یہاں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ان تمام لوریوں میں موضوعات اور تکنیک کا تنوع ہونے کے باوجود ایک مشترکہ صفت موجود ہے جسے ہم 'وحدت' کا نام بھی دے سکتے ہیں، یہ مشترکہ صفت ان لوریوں کا 'میٹھا سر' ہے۔ اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو پشتو میں بچوں کو بہلانے اور سلانے کے لیے بطور خاص لےٰللو، لےٰللو، لےٰللو کی تکرار کے ساتھ چھوٹے چھوٹے مقفی جملے یا مصرعے ان کلمات میں نغمگی بھر دیتے ہیں۔

یہاں ایک اہم سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ دور حاضر میں یہ اہم صنف کتنی متعلقہ ہے اور فی زمانہ اس پر کتنی توجہ دی جا رہی ہے؟ ویکیپیڈیا کے مطابق ۱۸۷۰ء میں برطانوی ہند میں ایک انگریز سر جن ایڈورڈ بالفور نے اردو کی لوریوں میں سے کچھ کو لکھ کر "لوری نامہ" کے نام سے شائع کرایا جو شاید لوریوں کا پہلا مجموعہ تھا۔ ۳۴ صفحات کے اس کتابچے میں ۱۸ لوریاں شامل ہیں مگر اس رپورٹ کو کسی صورت بھی تسلی بخش قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ بات جتنی حیران کن ہے اتنی ہی پریشان کن بھی ہے۔ آخر بچوں کے لیے لکھی جانے والی یا سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی لوریوں پر پہلے کام کیوں نہ ہوا اور اگر اتنی تاخیر سے ہوا بھی تو اس قدر کم کہ وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، تاہم تصویر کا دوسرا رُخ ہمیں یہ امید ضرور دلاتا ہے کہ لوری کا یہ سفر ختم نہیں ہوا بلکہ دوسری صورتوں میں آج بھی جاری وساری ہے اور موجودہ ڈیجیٹل دور میں اس کے لیے مختلف ذرائع اور وسائل استعمال کیے جا رہے ہیں اس ضمن میں ٹیلی وژن کے شیشے پر نظر آنے والی بصری ویڈیوز، بچوں کو بہلانے والے کھلونے اور موبائل کا استعمال زیادہ نمایاں ہے۔ یہ تمام

آلات ماں کی آواز اور احساس کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتے مگر ایک اچھی روایت کو زندہ رکھنے اور اسے آگے بڑھانے میں کار گر ضرور ہیں۔

حوالہ جات

1. جمیل جالبی، ڈاکٹر، ادب کلچر اور مسائل، مرتب: خاور جمیل (دہلی: ایجوکیشن پبلشنگ ہاوس، ۱۹۸۸ء)، ۱۴۔
2. اشرف کمال، محمد، ڈاکٹر، اصطلاحات (کراچی: بک ٹائمز، ۲۰۱۷ء)، ۳۳۴۔
3. سہیل احمد خان، ڈاکٹر، محمد سلیم الرحمن: (مؤلفین)، منتخب ادبی اصطلاحات (لاہور۔ جی سی یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء)، ۹۰۔
4. لوری کی آفاقی زبان، (bbc.com) ۲۳ جنوری ۲۰۱۳، ۲۳:۱۴۔
5. لوری، (ur.m.wikipedia.org)، ۱۷ مارچ ۲۰۲۲ء
6. خوشحال زیدی، ڈاکٹر، اردو میں بچوں کا ادب (لکھنو، نصرت پبلشرز، ۱۹۸۹ء)، ۲۸۵۔
7. حسن اکبر کمال، ماں کی لوری، (urduweb.org۲۶)، مارچ ۲۰۲۲ء
8. مسرور انور، 'پھول میرے گلشن کا' (ur.m.wikipedia.org)، ۱۷ مارچ ۲۰۲۲ء
9. حنیف خلیل، پشتو زبان و ادب کی تاریخ (پشاور، اعراف پرنٹرز، ۲۰۲۱ء)، ۲۱۱۔
10. ایضا، ۲۱۲۔
11. فارغ بخاری، بحوالہ: عبد اللہ جان عابد، پشتو زبان و ادب کی مختصر تاریخ، طبع ہفتم، ۲۰۱۵، ۱۵۲۔
12. ایضا، ۱۵۳۔

References in Roman Script

1. Jamil Jalbi, Dr, Adab, Culture or Masael, Murattab: Khawar Jamil (Dehli: Education Publishing House ,1988),14.
2. Ashraf Kamal, Muhammad, Dr, Istelahaat (Karachi, Book Times, 2017),334.
3. Sohail Ahmad, Dr, Saleem Ur Rahman (Moallifeen), Muntakhab Adabi Istelahaat (Lahore, GC University, 2005), 90.
4. Lori Ki Aafaqi Zuban (BBC.Com) 23 Jan,2013, 14:25 pm
5. Lori (ur.m,wikipedia.org) 17 March, 2022.
6. Khushal Zaidi, Dr. Urdu Mai Bachon Ka Adab, (Lakhnao: Nusrat Publishers, 1989),285.

7. Hassan Akbar Kamal, Maa,n Ki Lori, (urduweb.org),26 March,2022
8. Masroor Anwar, Phool Mere Gulshan Ka, (ur.m.wikipedia.org), 17March, 2022.
9. Hanif Khalil, Pushto Zuban o Adab Ki Tareekh (Peshawar: Aaraf Printers, 2021),211.
10. Abid, 212.
11. Farigh Bukhari, (Abdullah Jan Abid), Pushto Zuban o Adab Ki Mukhtasar Tareekh (7th Edition),2015,P.152
12. Abid. 153.